

بطری

ہم بھی منظور کے یار ان طر یقت ہیں مگر!
ہم کو منظور نہ ہیں دار کا احسان لینا

سید عبدالحمید عدم



PdfBy, Miskin Mazhar Ali Khan

Cell No, 00966590510687

بیطرفی

عدم

آئینہ ادب ○ چوک انارکلی لاہور

اشرف پریس لاہور

میں

زیور طبع کے آراستہ ہوا

پیالہ عدم آنکھ ہے میسکدے کی !

صُراجی جواں آہوؤں کی نظر ہے

عدم

دل ساز نہ بن جائیں، لب جام نہ ہو جائیں
یہ پیار فزوں ہو کر، بد نام نہ ہو جائیں
صرف ایک نظری درکار ہے موسم کو
ورنہ یہ گل و غنچہ، گلفام نہ ہو جائیں
میسری مناجاتیں، افراطِ عقیدت سے
یارب مجھے کھٹکا ہے، اصنام نہ ہو جائیں
تخفیفِ مراسم میں، سرکار کرو لیکن !
لوگوں کے جو دعوے ہیں، الہام نہ ہو جائیں
اک بنتِ زلیخا تو درپے ہے ہمارے بھی
یوسف کی طرح ہم بھی، نیلام نہ ہو جائیں
دیکھا ہی نہیں اس نے، اس سمتِ عدم ورنہ
سببِ ختم نہ بھر جائیں، سب کام نہ ہو جائیں



اب ذہن میں مت لاؤ، اب یاد نہ فرماؤ
 بھولے ہوئے یاروں پر مابیداد نہ فرماؤ
 سرکار کے مقصد کو، ہم خوب سمجھتے ہیں،
 اس حُسنِ تجاہل سے، ارشاد نہ فرماؤ
 آنکھوں کو ضرورت سے زائد نہ کرو۔ بخود
 مدہوش غزالوں کو آزاد نہ فرماؤ
 ہمداد کو میں اپنی توہین سمجھتا ہوں،
 اے اہل کرم میری امداد نہ فرماؤ
 مے خانے کا دروازہ ہے بند عدمِ حساب
 اب اور کوئی حیلہ ایجاد نہ فرماؤ



وہ جو اُس آنکھ کی کہانی ہے لہر ہے گیت ہے جوانی ہے
 غم اگر دل کو راس آجائے شادمانی ہی شادمانی ہے
 حادثہ ہے کہ تیری آنکھ کا بھی رنگ لے دوست آسمانی ہے
 ہائے تفسیر اُن نگاہوں کی جن کا ٹھہراؤ بھی روانی ہے
 کیسا پُر لطف ہے یہ مہنگا مہ کیسی دلچسپ زندگی ہے
 جوالم ہے وہ اتفاقی ہے جو خوشی ہے وہ ناگہانی ہے
 آؤ پھولوں کی آگ پی جاؤ دور صہبائے ارغوانی ہے
 دیکھنا زرد بیل کی جانب جیسے کوئی اداس رانی ہے

رنج سے عشق شعلہ شعلہ ہے

شرم سے عقل پانی پانی ہے

ہائے کس ڈھب کی بات ہوتی ہے
گیسو و لب کی بات ہوتی ہے

جان من کب کا ذکر کرتے ہو
جان من کب کی بات ہوتی ہے

آپ اکثر جوہر کم کرتے ہیں
وہ تو مطلب کی بات ہوتی ہے

آؤ تھوڑا سا نور لے جاؤ
ماہ و کوکب کی بات ہوتی ہے

جب بھی ہوتا ہے دن کا ذکر عدم
ساتھ ہی شب کی بات ہوتی ہے

چمن طراز یہ نوکِ خدِ رنگِ ہوتی ہے
 ہر ایک دل میں خوشی کی اُمنگ ہوتی ہے
 حباب لٹکتا ہے جب و فورستی سے
 بلند اس سے بھی آوازِ جنگ ہوتی ہے
 شاہدے کا بھی اک اپنا حُسن ہے ساقی
 نظر بھی اپنی جگہ موجِ رنگِ ہوتی ہے
 خدا تو ہے مگر اس مصلحت کے غائب
 کہ اس کو دیکھو کے مخلوقِ دنگ ہوتی ہے
 تو ان کی بات نہ سُن تجر بہ برت اپنا
 قلندر کی تو ساقی ترنگ ہوتی ہے
 بہار آئے اگر بے تکلفی سے عہدِ دم
 تو کتنی دلکش و شفاف رنگ ہوتی ہے

بڑی نرٹپ بڑے ہجبان سے صدا آئی
یہ کس اداس بیابان سے صدا آئی

کوئی پری کہیں رستہ بھٹکا گئی ہوگی
جو آج کو وہ سلیمان سے صدا آئی

شفق سے نکلی تھی شیشے میں ہو گئی داخل
غرض یہ ہے بڑی پہچان سے صدا آئی

صدا کنارے سے اتنی حسیں نہیں آتی
مرا خیال ہے طوفان سے صدا آئی

حسیریم طور سے آتی نہ تھی صدا پہلے
مگر جب آئی تو کس شان سے صدا آئی

گھرا میں جب بھی عدم مشکلات ہستی میں
عجیب عالم امکان سے صدا آئی

زمین گلزار ہو گیا ہوگا
یاغیاں یار ہو گیا ہوگا

بات سرکار بن گئی ہوگی
کام سرکار ہو گیا ہوگا

پھول اس زلف سے جدا ہو کر
سخت بیمار ہو گیا ہوگا

قافلہ اب نظر نہیں آتا
تیز رفتار ہو گیا ہوگا

کوئی تاکب تھا قیس گجرا کر
شہر بیدار ہو گیا ہوگا

ایک ارماں تو تھا عدم دلیں
سوکھ کر خار ہو گیا ہوگا

کوئی تدبیر کام میں لاؤ
دلکشی صبح و شام میں لاؤ

یہ غزال اتنے ہوشیار نہیں
ان غزالوں کو دام میں لاؤ

آج تلخی بہت زیادہ ہے
ڈال کر زہر جام میں لاؤ

جل گیا عشق، مر گئے عاشق
اب تو خجریاں میں لاؤ

اے عدم شہر کے عمائد کو
درغلا کر عوام میں لاؤ



دیر و حرم سے بدظن ہو کر اہل نظر لوٹ آئے ہیں
 کچھ جنگل میں بیٹھ رہے ہیں اور کچھ گھر لوٹ آئے ہیں
 بے مقصد گردش کا یہی انجام ہمیشہ ہوتا ہے
 چاک گریباں جو نکلے تھے، خاک بسر لوٹ آئے ہیں
 ساز و سبو کے ساتھ ہی رخصت شمس و سمر مانگی تھی
 ساز و سبو کے ساتھ ہی ساتی شمس و سمر لوٹ آئے ہیں
 کشتی کا اور موجوں کا یارا نہ کچھ نکلا ہے
 کشتی گھاٹ پہ جا اتری ہے اور کھنور لوٹ آئے ہیں
 اس نے عدم ارشاد کیا ہے جب بھی مجھے کچھ کہنے کا
 طرز طریقہ جھوم اٹھتے ہیں، فن و مہنر لوٹ آئے ہیں



اخلاص سے ملنے والوں کے اطوار نرالے ہوتے ہیں
 باتوں میں حلاوت ہوتی ہے، آنکھوں میں اُجالے ہوتے ہیں
 اللہ وغنی کیا لطف آتا ہے موسم گل کی صحبت کا
 وہ بال بکھیرے ہوتے ہیں، ہم جامِ سنبھالے ہوتے ہیں
 پروا نہ کرے انسان تو کیا کہنا ہے حوادث کی رونے ؟
 عینم تو بشر کے وہموں نے خود آپ ہی پالے ہوتے ہیں
 مست پوچھ سینوں کی چینل گلابِ ر جوانی کا عالم
 کچھ ایسا تصور ہے جیسے موجوں کے اچھالے ہوتے ہیں
 ہم اہل نظر کرتے ہیں عدم تعظیمِ سینوں کی جن سے
 وہ اور صراحتی ہوتی ہے، وہ اور پیا لے ہوتے ہیں



حسینو! سدا مسکراتے رہو
 مجھے بھی عقیدت ہے تم سے بہت
 تعلق نہیں اب تو پھر کیا ہوا
 فقیروں کی خدمت بڑی چیز ہے
 زمانے کو روٹا ہوا دیکھ کر
 چلو کام تو مستقل مل گیا
 ارے جگمگاتے ہوئے پیکرو
 کہانی بڑی لطف انگیز ہے
 ابھی چاندنی رات ہے باغ میں
 دلوں کے شگوفے کھلاتے رہو
 مے پاس بھی آتے جاتے رہو
 رنگاہیں تو یار و ملا تے رہو
 فقیروں کو امرت پلاتے رہو
 بڑے شوق سے مسکراتے رہو
 سفینے کو ساحل پہ لاتے رہو
 یونہی دیر تک جگمگاتے رہو
 میں سنتا رہوں تم سناتے رہو
 ستاروں کے برہبط جاتے رہو

کوئی کام مشکل نہیں دہریں ،
 عدم مدد و دشوں کو مناتے رہو



گلوں کے بدن پر لبادہ نہیں بہاروں کا مسلک کشارہ نہیں
 مجھے صرف دیدار کا شوق ہے محبت کا کوئی ارادہ نہیں
 ذرا دیکھنا سرو کو باغ میں کہ نیلے کوئی شاہ زادہ نہیں
 تری آنکھ ہی کو کوئی دیکھ لے کسے رعیت جام و بادہ نہیں
 چلو سیر کر آئیں گلزار کی ہوا میں حرارت زیادہ نہیں
 لکیریں پڑی ہیں ہر اک گ پر ورق کوئی گلشن میں سادہ نہیں
 مرے پاس آنے سے مرت جھینپتے مجھے خواہش استفادہ نہیں

کہیں کھپنس نہ جانا عدم دام میں
 سخن ان کا اتنا بھی سادہ نہیں

یہ کیسے بانگے غزال ہیں، اس طرح جو جادو جگوار ہے ہیں
 غلط غلط پاؤں دھڑک رہے ہیں، بجابجا گام اکٹھا رہے ہیں
 مشاہدے کا جمال ہے یہ کہ التفات خیال ہے یہ
 جدھر بھی اٹھتی ہے آنکھ میری کھڑے ہوئے مسکرا رہے ہیں
 وہ ایسے وار دھوئے ہیں دل میں کہ بن گئے ہیں سکون دل کا
 بنا لیا ہے یہیں ٹھکانہ، نہ آ رہے ہیں نہ جبار رہے ہیں
 یہ چھپر ویکھیں کہاں پہونچ کر سکون لیتی ہے گلستاں میں
 بہار صہبیا چھڑک رہی ہے نگار دامن بچار رہے ہیں
 ملی ہیں آنکھیں کہ گفت گو کا طویل آغا نہ ہو گیا ہے
 میں ان کو باتیں سنارہا ہوں، وہ مجھ کو باتیں سنارہے ہیں
 شراب تو پی نہیں مگر حال کس لئے بے شرابیوں کا
 نگاہ نیگیت بن رہی ہے، حواس بر ربط بچار رہے ہیں
 نوا کی لہریں بڑے تکلف سے رنگ کجھال بن رہی ہیں
 صبا کے جھونکے بڑی لگن سے نئے شگوفے کھلا رہے ہیں

بڑی حسین بھلیاں جوانی کی رنگ ریاں منا رہی ہیں
 بڑے نشیمن فروز شعلے نظر کے رستے میں آ رہے ہیں
 تری نظر سے مرے خیالوں میں شور ایسا مچا ہوا ہے
 کہ جیسے لاکھوں طیور ساقی ملا کے آواز گا رہے ہیں
 چلو عقائد کی ظلمتوں کو یقیں کے چشمے میں غرق کر دیں
 نئے پجاری صنم کرے میں چراغ بادہ جلا رہے ہیں
 اب اس سے بہتر سفر کی کلفت کا کیا مناسب علاج ہو گا
 حسین رہزن بڑی محبت سے رہروں کو بلا رہے ہیں
 مجھے یہ کل رات خواب آیا ہے اے بخومی کہ فصل گل میں
 وہ مجھ کو آغوش میں لئے چاند کا سفینہ چلا رہے ہیں
 فضا میں رنگیں کہانیوں کا رنگارنگ خانہ کھلا ہوا ہے
 ہوا کے سازوں پہ داستاں گو لطیف قصے سنا رہے ہیں
 عدم پرانے قدح کشوں سے کہو کہ اب اپنی راہ پکڑیں
 کہ بزم میں اپنے جام لے کر جواں جواں لوگ آ رہے ہیں



فقیر کس درجہ شادماں تھا، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا
 حضور کس درجہ مہرباں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا
 وہ مے کدہ تھا، صنم کدہ تھا کہ بابِ جنت کھلے ہوئے تھے
 تمام شب آپ ہم کہاں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا،
 وہاں بہاروں کے زمزمے تھے وہاں نگاروں کے جگمگاتے تھے
 وہاں ستاروں کے کارواں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا
 بہن کے پھولوں کے تاج سر پر حسین و شاداب مندو پر
 سیو بکت کون حکمراں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا
 مراحلِ راحت و اماں تھے، مسائلِ ماہ و کہکشاں تھے
 مشاغلِ حرف و داستاں تھے حضور کو کچھ تو یاد ہوگا
 اگرچہ شوق و طلب تھے میساختہ ہم آغوشیوں پہ مسائل
 کئی تکلف بھی دریاں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہوگا۔

لطیف شامیں طبیعتوں کے ضمیر سے خوب آشنا تھیں

حسین سویرے مزاج داں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

نظر کی حد تک محیط تھا سلسلہ مہکتے ہوئے گلوں کا

گلوں میں پیروں کے گھر نہاں تھے حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

عجیب سانچے کی کشتیاں بہہ رہی تھیں لہر و لکڑی پر

عجیب صورت کے بادباں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

الوہیت آپ اس حسین اتفاق پر سکرار ہی تھی

صنم خداؤں کے مہماں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

جو واقعے تھے وہ گونجتے زم زموں کی مانند موجزن تھے

جو خواب تھے سر و بوستاں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

کہیں کہیں سبیل و کوثر کی جوت موجود تھی زمیں پر

کہیں کہیں عرش و آسماں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

شبِ محبت حضور کی کاکلوں کے کھلنے کے سلسلے میں

عدم کے اصرار کیا جواں تھے، حضور کو کچھ تو یاد ہو گا

مرچبیں کس ادا سے چلتے ہیں
دُنشیں دلربا سے چلتے ہیں

بات اس کے کرم سے بنتی ہے
کام اس کی رضا سے چلتے ہیں

پھول کتنے بھی سرخ ہوں پھر بھی
اس کے رنگِ قبا سے چلتے ہیں

آؤ جاں ڈال دو مشاغل میں،
دور کچھ بے مزا سے چلتے ہیں

ہیں کچھ ایسے بھی بادِ باں جو عدم
ناموافق ہوا سے چلتے ہیں،



غمِ محبت کی عید ہے شاید
اُن کے خط کی رسید ہے شاید

جو نئے پیرہن میں آئی ہے
یہ پرانی امید ہے شاید

رات دیکھا تھا ماہِ نوہم نے
آج یومِ سعید ہے شاید

وہ جفا سے بھی رستکش ہیں اب
یہ عتابِ جدید ہے شاید

شیخ کی جیب میں عَدَمِ صاحب
میکے کی کلید ہے شاید



نہ دیوانوں کو کہتے ہیں، نہ فرزانوں کو کہتے ہیں
 مری سرکار ہم انسان انسانوں کو کہتے ہیں
 اسے تشبیہ کیوں دیتے ہونے کی اور طہار سے
 جوانی تو شراب آلودارمانوں کو کہتے ہیں
 بڑی تو بین مہمانوں کی ہے اس نام میں پنہاں
 بلائے ناگہماں کیوں لوگ مہمانوں کو کہتے ہیں
 کنار اگو کنارے ہی کو کہنا چاہئے تا ہم
 کچھ ایسے زندہ دل بھی ہیں جو طوفانوں کو کہتے ہیں
 وہ قفل باب ہی کیا ٹوٹ جائے جو سہولت سے
 حقیقی قفل دروازہ تو دربانوں کو کہتے ہیں
 چمن کی پُر تکلف رونقیں بھی دیکھ لیں ہم نے
 گلستاں بھی عدم شاداب دیرانوں کو کہتے ہیں

ذرا انگریزانی لو اور تیکدے تعمیر کر ڈالو
 خطوطِ جسم سے تاریخِ گلِ تحریر کر ڈالو
 مجھے رسوائیاں معیارِ حق معلوم ہوتی ہیں
 مری عزت اسی میں ہے مری تشہیر کر ڈالو
 مرے فردِ عمل کو لکھنے والو ہطلمن ہوں میں
 جو چاہو اپنے اندازے سے تم تحریر کر ڈالو
 بہک جاتے ہیں اکثر لوگ لہجے کی فصاحت سے
 کوئی دلچسپ سی سلجھی ہوئی تفسیر کر ڈالو
 محبت کس کو کہتے ہیں صلقت کس کو کہتے ہیں
 رنگاہوں میں رنگا ہیں ڈال کر تفسیر کر ڈالو
 مرے شیشے کو گرہنٹوں سے تم کرتے نہیں اصل
 مرے شیشے پہ اپنا نام ہی تحریر کر ڈالو
 عذیم مکتوب لکھتے وقت دل کو ضبط میں رکھنا
 کہیں ایسا نہ ہو کچھ اور ہی تحریر کر ڈالو

مکرر وہی بات ہو جائے گی
 خرابات میں رات ہو جائے گی
 ذرا گیسوؤں کو جھٹک دے تب کھئے
 ستاروں کی برسات ہو جائے گی
 بتوں کے ذریعے سے کیا علم تھا
 خدا سے ملاقات ہو جائے گی
 مری ذات تحقیق کرتے ہوئے
 اچانک تری ذات ہو جائے گی
 کبھی آپ حیران ہو جائیں گے
 کسی دن کرامات ہو جائے گی
 ذرا سا تغافل ہوا تو عدم
 وہی شکل حالات ہو جائے گی



اُداسی سے زلفیں نہ بکھرائیئے
جوارشاد کرنا ہے فرمائیئے

اندھیرا زیادہ نہ ہو راہ میں
ستاروں کو ہمراہ بے جایئے

ہر اک عارضہ دور ہو جائیگا
مرا مشورہ کام میں لائیئے
ابھی رنگ ماحول کا ٹھیک ہے
خرا ماں خرا ماں گزر جائیئے

کیا کیا ہے سرکار ہم نے ابھی
کوئی اور ارشاد فرمائیئے

عدم دیکھ کر زندگی کا سلوک
یہی جی میں آتا ہے مرجائیئے

۲۹

○

کس شاہ جیل کی تعریف کیجئے
فرصت ملے تو کاوش تصنیف کیجئے

دنیا تو کر رہی ہے بہت ہم پہ اعتنا
سرکار آپ بھی ذرا تکلیف کیجئے

مجنوں کا نام آئے حکایت میں کس لئے
کھوڑی اسی واقعات میں تحریف کیجئے

اوصاف کی صفت ہی اگر کی تو لطف کیا
خوبی تو حیب ہے غیب کی توصیف کیجئے

تکلیف بھی ہے اب تو تکلف صفت عدم
اب کیا زکلفات کی تکلیف کیجئے

اے حسن خود پسند کوئی غیر تو نہیں
 ہم ہیں نیاز مند کوئی غیر تو نہیں
 کیوں کھولتے نہیں درمیان مغسچو
 ہیں بادہ نوش چند کوئی غیر تو نہیں
 ہم کھٹکھٹا رہے ہیں ترے در کو اے صنم
 کیوں بے کوار بند کوئی غیر تو نہیں،
 ہم پر کمند ڈال بڑے اشتیاق سے
 ہم صاحب کمند! کوئی غیر تو نہیں
 گیسو ترا دراز ہماری صدا بھی سن
 رتبہ ترا بلند، کوئی غیر تو نہیں،
 ہم آ رہے ہیں تیرے تعاقب میں اے عدم
 کر تیز مت سمت کوئی غیر تو نہیں



کب اٹھے گا حجابِ معنی ساز
 سازِ تحسین ہو گیا لے میں
 ہنس دئے وہ مرے گریباں پر
 اللہ اللہ! اس کی انگڑائی
 روشنی یوں ہے ذہن میں جیسے
 کر رہے ہیں وہ ست آنکھوں سے
 جس طرح میکرے کا دروازہ
 پر شکریہ طیور بھی مالی،
 میں کہاں سے کہاں چلا آیا
 جنبش لب کی اب اجازت دے
 کس جگہ گم ہے زمزمہ پرداز
 مٹ گیا امتیازِ نغمہ و ساز
 موسم گل کا ہو گیا آغ از
 سنگ مرمر کی کوشش پرواز
 پڑھ رہا ہو کوئی حسین نماز
 اس طرح رسم و راہ کا آغ از
 موسم گل میں ہو رہا ہو باز
 کر گئے دل کے زور پر پرواز
 آئی تھی کس حسین کی آواز
 جاں بلب ہے تمام محفلِ راز

دل ہے وہ طفلِ سادہ لوحِ عدم
 جس کا مذہب ہے صدق و شوق و نیاز



دھیان رکھیں نہ آپ جو بن کا
 وہ لبادے اڑے نقاروں کے
 کس نے زلفیں بکھیر دیں اپنی
 رنگ پھولوں کے پڑ گئے مدھم
 کاٹ دو آج ضدِ مشیت کی
 کاش کوئی غزال آجائے
 حسن اگر انتہا ہے غمزے کی
 عاشقی بھی کھال ہے فن کا

ایسے بیٹھے ہیں وہ اداسِ عدم
 چاند تہا ہو جس طرح بن کا

فرزانے بن گئے ہیں نادان ہو گئے ہیں
ہم تیری سادگی پر قربان ہو گئے ہیں

وہ درد بھی ملے ہیں اس آنکھ سے ہیں جو
ہر دردِ زندگی کا درمان ہو گئے ہیں

یارو کہیں سے لاؤ ہنستی جوانیوں کو
یارو! دلوں کے قریے دیران ہو گئے ہیں

چھڑکا ہے رنگ ایسا اس پرفسوں نے
کانٹے مشاہدوں کے رومان ہو گئے ہیں

کس حسنِ دلیری سے شمعیں ہوتی ہیں روشن
پروانے کس ادا سے قربان ہو گئے ہیں

اگر ملے ہیں وہ کچھ کس پیار سے عدم کو
ان کے مزاجِ داں بھی حیران ہو گئے ہیں

راز اس طرح دلوں کے مشہور ہو گئے ہیں
 ہم عرض مدعا پر مجبور ہو گئے ہیں
 دل میں کمی کچھ ایسے محسوس ہو رہی ہے
 نزدیک آ کے جیسے وہ دور ہو گئے ہیں
 اتنی عقیدتوں سے پیش آئی ہے محبت
 حسن و جمال والے مغرور ہو گئے ہیں
 سو جھی ہے کیا نہ جانے ناداں مشاہدوں کو
 کچھ رنگ بن گئے ہیں، کچھ نور ہو گئے ہیں
 کیا دلکشی عہدِ مہنتی دار و درسن میں پنہاں
 جو صاحبِ نظر تھے منصور ہو گئے ہیں



جہاں راستے آپ بھی تھم گئے ہیں وہاں تک مسافر بہت کم گئے ہیں
 کریں سس مرنے سے اے دوست شکوہ محبت سحر خون ہی جسم گئے ہیں
 خدا ان کی زلفوں کو شاداب رکھے وہ ہو کر بہت آج برہم گئے ہیں
 زیادہ نہیں طور سے واقفیت وہاں صرف اکے تہہ ہم گئے ہیں
 وہاں تک مری الجھنیں خوشنما ہیں جہاں تکتے ہی زلف کے خم گئے ہیں
 وہ گل کی قیامیں ہوئے میں عیاں جب تو اہل ہوس بن کے شبنم گئے ہیں

مریار اور میں عدم افتاد
 خرابات تک آج باہم گئے ہیں

نظر کا ذرا سا زیاں ہو گیا ہے
 ہمیں زخم کھانے کی خو تو نہیں تھی
 چھپایا تھا ہم نے جسے آپسے بھی
 ادھر کس لئے زلف بھرا رہے ہو
 وہ جھوٹکا جو آیا تھا غرقاب کرنے
 وہ سفاک اتنی کشادہ دلی سے
 ستارہ افق میں نہاں ہو گیا ہے
 انھیں شوق تیر و کماں ہو گیا ہے
 وہی راز اب داستاں ہو گیا ہے
 ادھر دیکھئے کیا سماں ہو گیا ہے
 مری نافر کا بادِ باں ہو گیا ہے
 نہ معلوم کیوں مہرباں ہو گیا ہے

عدمِ ہم کو اس نے دیا رنج تو کیا
 زمانہ تو کچھ شادماں ہو گیا ہے

تری نگاہ میں بھی رنگ التفات نہیں
 یہ بات کیا مری تسمتی کی بات نہیں
 مجھے حیات کا الزام دیجئے نہ ابھی
 میں جی رہا ہوں مگر مجرم حیات نہیں
 مرے سخن پہ توجہ نہ کر بہت ساقی!
 خطا معاف تری انکھڑیوں کی بات نہیں
 میں تیری ذات کو وجدان میں تو پاتا ہوں
 اگرچہ میری رسائی میں تیری ذات نہیں
 کہ جس جگہ ہیں لے آئی ہے حیات عدم
 یہ کائنات تو کچھ ایسی کائنات نہیں



خموشی ساز امین سخن بھی ہوتے ہیں
 تکلفات میں تکلیف ہی نہیں ہوتی
 کلیم جاتو سہی تجربہ تو کر حبا کر
 کسی کی زلفِ مسلسل میں کیا نہیں ہوتا
 دلوں پہ برق کوئی ایک تو نہیں گرتی
 مجھے پسند ہے میخانہ اسلئے کہ وہاں
 یہاں تو کچھ بھی نہیں چند تاجروں کے سوا
 بہار آئے تو یہ موحزن بھی ہوتے ہیں
 تکلفا میں کچھ بانگین بھی ہوتے ہیں
 سنا ہے میں نے کہ وہ ہم سخن بھی ہوتے ہیں
 نسیم و غنچہ بھی سر و سمن بھی ہوتے ہیں
 نظر کے ساتھ خطوط بدن بھی ہوتے ہیں
 ستارہ پوش بھی گل پرین بھی ہوتے ہیں
 سنا تھا میں نے یہاں کو کہن بھی ہوئے ہیں

یہ ٹھیک ہے تو بڑا شکر ہے خدا کا عدم
 سنا ہے اہ میں کچھ راہزن بھی ہوتے ہیں



شیشے ایسے چور ہوئے ہیں سب اندیشے دور ہوئے ہیں
 اہم سے ناراض نہ ہونا ہم بھی کچھ مجبور ہوئے ہیں
 حیرت کی کیا بات ہے اس میں مے پی ہے مخمور ہوئے ہیں
 کیا سیدھی سی بات تھی لیکن کیا اٹے دستور ہوئے ہیں
 فرڈسل لکھنے کی خاطر دو کا تب معمور ہوئے ہیں
 پہلے ہی رکھنی تھی خبر کچھ اب وہ کیوں بنجور ہوئے ہیں
 ایک تھا مجنوں ایک نشاد امتق کیا قصے مشہور ہوئے ہیں

آج عدم ٹوٹے ہوئے مربوط

نغموں سے معمور ہوئے ہیں

کیا عہد و پیمان ہوتے ہیں پروانے قربان ہوئے ہیں
 تم کو کیوں حیرت ہے اتنی! ہم یونہی قربان ہوئے ہیں
 سمجھاتے ہیں دیوانوں کو فرزانے نادان ہوئے ہیں
 پھر تصویریں بول اٹھی ہیں پھر زندہ ارمان ہوئے ہیں
 مرنے کے رنگین ارادے جھینے کا سامان ہوئے ہیں
 کیا سچی تسکین ملی ہے کیا موزوں دربان ہوئے ہیں

عقلِ عدم حیران ہے یکسر!
 کچھ ایسے عرفان ہوئے ہیں



اک خموشی بے کہہ سکتے کی طرح طاری ہے
 آج کی شام طبیعت پہ بہت بھاری ہے
 حوض کوثر میں ہو تلخی بھی ذرا سی یا رب
 ہم فقیروں کو ذرا عادت میخواری ہے
 دشمنی بندوں سے، یزداں سے عقیت سدا تہی
 حضرت شیخ زہرہ کس نوع کی عیاری ہے
 جس کو کہتے ہیں، طمانیتِ خاطر ساقی،
 وہ تو انسان کے خیالات کی ہمواری ہے

جا بجا پھولوں کے انبار لگے ہیں ہر سو
ہائے کس زور کا ہنگامہ گلباری ہے

ہم نے دیکھا نہیں خورشیدِ شبنم کا ملاپ
اُن سے ملنے میں ذرا سی ہمیں دشواری ہے

جو خسارہ ہے وہ وجدان کا خمیازہ ہے
جو اذیت ہے وہ احساس کی بیداری ہے

دل میں شیریں سی چھن رہتی ہے ہر وقت غم
یہ نہیں علم یہ صحت ہے کہ بیماری ہے



کوئی نوخیز پری زاد ہے ستور یہاں
 آپس کی اسٹیل یوں بیٹھے ہیں بخور یہاں
 ہونے والا تو نہیں حادثہ طور یہاں
 چل نہیں سکتا کوئی دوسرا دستور یہاں
 پھول کو خاطر گلچیں نہیں منظور یہاں
 لیکے اٹھتے ہیں صلیب شام کو مزدور یہاں

رنگت پھول کا مہتاب کب ہے نور یہاں
 یہ بہکتے ہوئے جھنگل یہ گلابی چشمے
 تم آپس پر ردہ رہو اتنا بتا دو لیکن
 یہ خرابات بے مسکے یہاں کاشیشہ
 مختلف ہیں یہاں آداب چپن لے نالی
 شہر شریر نہیں فر باد مٹاں کی بستی

اپنے اپنے ہیں عدم طرز طریقے سب کے
 کوئی تسلیم و رضا پر نہیں محبوس ہو یہاں



وہ جو برہم دکھائی دیتے ہیں
ہائے لرزش کسی کے بالوں کی
کیا نئی بات کی پتنگے نے
آہ و نالہ سے سو دیر کا ہو گا
ناخن ان کے ہیں یوں بھی تیز بہت
رہز نوے ڈرو نہ اے یارو!
غنچہ دگل رہائی دیتے ہیں
مجھ کو نغمے سنائی دیتے ہیں
جاں غموں مانہ رانی دیتے ہیں
ان کو یہ کم سنائی دیتے ہیں
رنگ انھیں کیوں حنائی دیتے ہیں
ان کو رستے سجھائی دیتے ہیں

ایسے بکتے ہیں بعض ساز عارم
جیسے زخمی رہائی دیتے ہیں



ساز اور جام آنہیں سکتے کیا وہ ایام آنہیں سکتے
 پہلے آغاز ہی مقدم ہیں پہلے انجام آنہیں سکتے
 اب نہ جتیاوریہ تکلف کر ہم تہ دام آنہیں سکتے
 ہائے کیا شومئی مقدربے وہ مرے کام آنہیں سکتے
 اب وہ الزام دور ہیں ہم سے اب وہ الزام آنہیں سکتے
 جب تک اسکی نگاہ برہم ہو دور میں جام آنہیں سکتے

ہم عدم عین شب کو آئیں گے
 ہم سہر شام آنہیں سکتے

جس چیز کا لے دو لہرا کر تم نام تمہاری دولت ہے
یہ ساز تمہاری بخشش ہے یہ جام تمہاری دولت ہے

تکلیف میں بھی مسرور ہیں ہم آرام میں بھی محسوس ہیں ہم
تکلیف تمہاری رحمت ہے آرام تمہاری دولت ہے

اب ہم کو خدا کا نام بھی لینے پر تعزیریں دیتے ہو،
کیوں صاف نہیں کہہ دیتے، خدا کا نام تمہاری دولت ہے

ہم گردشِ دوراں کے رستے سے آپ کو مل ہی لیتے ہیں
یہ صبح تمہاری ملکیت، یہ شام تمہاری دولت ہے

جو کچھ بھی عدم نے پایا ہے، مہ پار و تم سے پایا ہے
اخلاص تمہارا درِ یوزہ، اسلام تمہاری دولت ہے

۴۷
آشائیں مہیا کرتے ہیں، ارمان بہم پہنچاتے ہیں
فنکار دلوں کو راحت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں
ہم اُن سے کنارہ کیسے کریں، غیلم گوارا کیسے کریں
ہیں وہ ہی تو جو اس پیکر کو، کچھ جان بہم پہنچاتے ہیں
ساحل پہ لگے یا موجوں کی آغوش دے اہل ہو جائے
کشتی کو تسلی تو کچھ کچھ طوفان بہم پہنچاتے ہیں
کیا مانگے اُن سے اے ہمدم حسبِ ضرورت اہل کرم
جس شے کی ضرورت ہوتی ہے ہر آن بہم پہنچاتے ہیں
آزردہ و غمگین کیوں بے عدم، بے اہل طریقت کا یہ بھرم
جو دردِ عنایت کرتے ہیں درمان بہم پہنچاتے ہیں

خلاف رسوم دروایات سے کہئے
کبھی زندگی سے ملاقات سے کہئے

بڑی دھوم ہے آپ کے دم کرم کی
فقیروں کی کچھ تو مدارات سے کہئے

میں ترمین حالات کو آ رہا ہوں
ذرا آپ اصلاح حالات سے کہئے

کسی پر توجہ کسی سے تغافل
یہی کام سرکار دن رات سے کہئے

بہاریں بھی ہیں ابر تو بہ شکن بھی
چلو آج سیر خرافات سے کہئے

عدم موسم گل میں یہ سوچ کیسی
کوئی شعر کہئے، کوئی بات کہجئے

غزال چمن دے سبے ہیں سلامی
 بے سرکار کیا آپ کا نام نامی
 تیرے عہد میں کون زندہ رہیگا
 شباب اور ساتھ اس کے شیریں کلامی
 مرے پاس آتے ہیں ہر وقت پیاسے
 بے صحر اکا چشمہ مری نیک نامی
 تری زلف کس رات کی پیشکش ہے
 تری آنکھ ہے کس سحر کی پیامی
 بڑی راحتیں ہیں اسیروں کو حاصل
 بڑا قیمتی حادثہ ہے سلامی
 ضرورت سے زائد ہی کچھ تحصیل دیدی
 عدم شوق نے باگ دل کی نہ تھامی

وہ اس انداز سے ہم پر نگاہ انداز کرتے ہیں
 کہ جیسے گانے والے گیت کا آغاز کرتے ہیں
 جو پرواز ہے گر جاتے ہیں غش کھا کر خلاؤں میں
 جو بے پر ہیں فسر از عرش تک پرواز کرتے ہیں
 دلوں کی آگہی موسیقیوں میں ڈوب جاتی ہے
 نگاہوں کو وہ جب آلودہ پرواز کرتے ہیں
 سحر کو میسکدے میں سونے والے مہینے اکثر
 بڑی شکل سے دروازے کو اٹھ کر باز کرتے ہیں
 جو بیگانے ہیں گنجائش ہی کیا تکلیف کی ان سے
 جو کرتے ہیں عدم انسان سے دساز کرتے ہیں



ہمیں تو نسیق ارزانی ہوئی ہے نذر پاشی کی
 تمہیں کس واسطے تشویش ہو تیرہ حواشی کی
 جابھر جاتے ہیں تازہ مورتوں سے آنکھ لڑتی ہو
 خدا کو یا رعادت پر لگئی ہے بت تراشی کی
 سبوگم ہو گیا مختارات مے خانے میں کس قی
 سحر کو محتسب نے شیخ کی جامہ تلاشی کی
 کسی جانب سے کوئی مہ جبین آنے ہی والا ہے
 مجھے یاد آ رہی ہے آج مستحضر اور کاشی کی
 عدم چل باغباں سے کچھ شگفتہ پھول لے آئیں
 گلوں سے جیب بھر نی ہے کسی خوشنوق راشی کی



رخ سے گیسوٹھا کے بات کرو مہ و شو جگمگا کے بات کرو
 بات ہی کیا چٹکتا ہو جس میں جب کرو مسکرا کے بات کرو
 دور سے یہ ادا نہیں موزوں یا رنزدیک آ کے بات کرو
 خشک باتیں بھلی نہیں لگتیں دوستو پی پلا کے بات کرو
 میں نہ کہتا تھا ظلم ٹھیک نہیں سامنے اب خدا کے بات کرو
 کیوں جھجکتے ہو بات کرنے سے سامنے آؤ آ کے بات کرو
 تنگ رہے کے چراغ بدھم ہیں نوک ابرو ملا کے بات کرو
 بات کا لطف گراٹھا نا ہے مہ و شوں کو سنا کے بات کرو

رندیوں گفتگو نہیں کرتے
 اے عدم جام اٹھا کے بات کرو



سانس پیغام یار بن جائے بے قرار کی قرار بن جائے
 یوں نظر ڈالئے کہ عہد خزاں احسرا ابا بہار بن جائے
 بدگمانی کا معجزہ یہ ہے بدظنی اعتبار بن جائے
 گردش جام کو اجازت ہے گردش روزگار بن جائے
 شمع کہہ دے تو خاک پروانہ از سر نو شرار بن جائے
 عقل اگر آئیے میں منہ دیکھ وحشت خندہ بار بن جائے

اے عدم جس کو غم نہ ہو کوئی
 وہ مرا غم گسار بن جائے

بے دلی سے دیوانے ایسے مسکرائے ہیں
 عقل چیخ اٹھی ہے ہوش لڑکھڑائے ہیں
 مدعا کے جو ریزے رہ گئے تھے سینے میں
 کچھ دلوں میں انکے ہیں کچھ لبوں تکائے ہیں
 آرزو کی پگڑنڈی اٹ رہی ہے پھولوں سے
 میکروں کی راہوں میں آنچلوں کے سائے ہیں
 اب بھی تم نہیں سمجھے فراق شمع و پروانہ
 تم نے چھب جلائی ہے ہم نے دل جلائے ہیں
 برقرار ہیں کیسے اعتماد دونوں کے
 ہم لٹے لٹائے ہیں وہ سجے سجائے ہیں
 محتسب عدم مجھ سے اس بنا پہ برہم ہیں
 میں نے میگساروں کے حوصلے بڑھائے ہیں

وقت ہے حسین ساقی رخت ہے جوان ساقی
 جامِ ارغواں ساقی ، جامِ ارغواں ساقی
 کاکلوں سے بارش ہو اس طرح ستاروں کی
 جام میں اتر آئے آج کہ کشاں ساقی
 آرہے ہیں پیما نے جا رہے ہیں پیما نے
 کیا رواں رواں ساقی ، کیا کشاں کشاں ساقی
 صبحِ حشر کا تجھ کو و نسوسہ ہے کیوں اتنا
 خیرے ابھی پوری شب ہے درمیاں ساقی
 آج تو ارادہ ہے مان لیں کہا اس کا
 آئی ہے سب لے کر عمرِ حبا وداں ساقی
 واصلِ عدم کر دے اس حسین آفت کو
 آرہی ہے کس جانب مرگ ناگہاں ساقی



ہم ترستے رہے رند سارے
اب تو مینی پڑیں گی شرابیں
بول پڑتے ہیں بے جان صنم بھی
کون محو متاشا ہوا ہے
ایسے نظریں پڑیں عاشقوں کی
زخم اپنے ہی کانٹوں نے بخشتے
بیت جائے نہ پھولوں کا موسم
رات جھنستے ہوئے نین والا،

مہ وشنوں نے کہاں نہ گزراے
جام دینے لگے ہیں ستارے
کوئی اخلاص سے تو پکا ہے
رقص کرنے لگے ہیں نظارے
جل گئے آنچلوں کے کنارے
تیرا اپنے ہی یاروں نے مانے
آبھی جا اب — مربی ہمارے
کون تھا جو گیوں کے دوارے

ہم کو اب بھی عزم روپا لے
روز ملتے ہیں دریا کنارے



وہ شیشیں، وہ بے وفائی، وہ فسانے
 ہنستی ہنستی طرب ریز آنکھیں
 بار کتنے حسین تھے زمانے
 بہکے بہکے گلابی بہانے
 یاد ہے کچھ اگر تو بتاؤ
 کیا کہا تھا گلوں سے صبانے
 تم نے اپنی ہی بات کی آخر
 تم مرا مشورہ تو نہ مانے
 رات ہم جا ہی پہونچے وہاں تک
 بچ رہے تھے جہاں شادیانے
 اب کنارہ کی جانب نہ دیکھو
 چھوڑ دی ناؤ اب ناخانے
 شخص صاحب کو صوفی نہ سمجھو
 یہ تو ساتھی ہیں اپنے پرانے
 آگئی ہے غزالوں کی بستی
 توڑان کے مگر کون جانے

پاس آتے نہیں جو گیوں کے
 اے عدم یہ ہر ن ہیں سیانے

حیران سی نگاہ ہے اکھڑی سی چال ہے
 جو مرہ جبیں ہے خوفزدہ سا غزال ہے
 کتنے حسیں گماں ہیں حقیقت بنے ہوئے
 کیا خوشنما فریب تمتا کا جال ہے

تھا ہر معاملے میں جسے مجھ سے اختلاف
 اب ہر معاملے میں مرا بھنیال ہے
 زاہد کو بد مذاق نہ فرمائیے خیال
 درپردہ وہ بھی اپنی طرح نو نہال ہے

کیوں پھر رہے ہو شیخ جی نزدیک میکدہ
 یہ تاک جھانک کیا ہے یہ کیا دیکھ بھال ہے
 کہتے ہیں میکدے کی ہوا ہے سرد و بخشش
 کیوں اے غم حیات تیرا کیا خیال ہے

تو گردشِ سبو کی طرح تیز چل سکے
 اے گردشِ زمانہ تیری کیا مجال ہے
 جی چاہتا ہے حسنِ عقیدت کے چوم لوں
 نوکِ لبِ نگار بھی نوکِ بلال ہے

آئے نگارِ وقت کہ ختم جائیں دو گھڑی
 دنیا اسیرِ سلسلہٴ ماہ و سال ہے
 پھولوں سے اختلاط کریں یا چلے چلیں
 اے تازہ واردانِ حین کیا خیال ہے

ہاں ہاں میں جانتا ہوں عدم بے خبر نہیں
 ان کو مری خوشی کا بہت ہی خیال ہے

یاروں کے ساتھ سیر خرابات کر چلے
نکلے تھے گھر سے وقتِ سحر رات کر چلے

اک صبح انکھڑیوں کی بھی قربتِ یونی نصیب
اکے ات زلف سے بھی ملاقات کر چلے

ہم بھی کھڑے تھے پاس ہی معمول کینڈاں
جاتے ہوئے وہ ہم سے بھی بات کر چلے

اس باب میں بھی دل کو بھرم تھے بڑے غلط
اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات کر چلے

اب آپ سوچتے رہیں جتنا بھی جی کسے
ہم تو حضور آپ کے سب بات کر چلے

کچھ ہم پہ دوستوں نے بھی احساں کیا عدم
کچھ ہم بھی دوستوں پہ عنایات کر چلے

ہوش کی تلخی دور کرو
توبہ کو اب چور کرو

جبر کی اک حد ہوتی ہے
اتنا مت مجبور کرو

لطف نہیں تو چور سہی!
کچھ حریف ستور کرو

دل مٹ توڑو ٹھیک نہیں
مذرا نہ منظور کرو

اچھے بھلے لگتے ہو عادم
وہم کو دل سے دور کرو

شعلہ ہے گلہ ان نہیں
جل جانا آسان نہیں

ابال میں وہ رہتے ہیں
ابستی ویران نہیں

دریا کو کیا پار کریں
دریا میں طوفان نہیں

تصویریں ہیں کیا دلکش
تصویروں میں جان نہیں

درد کا کیا درمان عدم
درد کا کچھ درمان نہیں



شب کے گماں یقین بھر تک پہنچ گئے
 تھے ابتداء سے علم و خبر کے بھی جو خلاف
 دیوانگی تھی اور کہاں جا کے کھینکتی
 کیا آگ تھی جو جملہ جاں تک کھر گئی
 پہچان ہی لیا اُسے لکھنوں کے درمیان
 زلفیں کمر کے پار نظر سے ماورا
 اے، منشیہیں سفینوں کے چلنے کی دیر ہے
 ہم اتنی آدھس و قمر تک پہنچ گئے
 وہ انتہائے علم و خبر تک پہنچ گئے
 پایا ان کا رآپ کے در تک پہنچ گئے
 کیا زخم تھے جو قلب جگر تک پہنچ گئے
 ہم اپنے انتخاب نظر تک پہنچ گئے
 اہل ہنر کہاں ہنر تک پہنچ گئے
 ساحل سے چلے تو تک پہنچ گئے

ہستی سے تا عاقبت ہے بھلا فاصلہ ہی کیا
 چل کر ادھر لوگ ادھر تک پہنچ گئے

اس جنبشِ مرثہ کا گلستاں ہے رقص میں
 یا کوئی نوجوان غزلخواں ہے رقص میں
 تجھ کو بگولے پہ ہے رقص کا گلاں
 اے بے خبر تمام بیابانِ رقص میں
 پھر آرزو کی آگ لگی ہے حواس کو
 پھر زندگی کا خواب پریشاں ہے نقص میں
 ثابت ہوا کہ موسمِ گل کچھ قریب ہے
 محسوس ہو رہا ہے گریباں ہے نقص میں
 دیے تو ہم نہیں کرتے یہ العجب
 آجاکہ آج ابرخراں ہے رقص میں

آسمان ہے بے دریغ زلیخا پہ یوں شباب
دیوانہ وار یوسف کنعاں ہے رقص میں

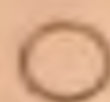
اس متر بہار پہ آتی نہیں خزاں
غنجے نہیں تو چشم غزالاں ہے رقص میں

زلفوں کے ساتھ شعلہ خوشبو ہے شعل
شیشے کے ساتھ گردِ شبنم وراق رقص میں

کس دلکشی سے شاخ نشیمن ہے نعمت زن
کس تمکنت سے برق فروزاں رقص میں

گاتی ہوئی یونہی چلی جاتی ہے زندگی
کشتی ہے رقص میں کبھی طوفان رقص میں

نیٹھے ہیں رند دائرہ باندھے ہوئے عدم
کس اہتمام سے غم دوراں ہے رقص میں



کنوں کی جوت پیرانے کا غم ہے مرا طرزِ تفکر بھی صدم ہے
 گری ہے برق تو میرے مکان پر تجھے کس بات کا لے دستِ غم ہے
 بغیر اس کے بھی بن جاتی ہوجاں پر تم بھی ایک اندازِ کرم ہے
 ذرا محنتِ طاووسے رنگ گل سے عنزالانِ چین کو خوشی دم ہے
 تمام آلامِ ہستی مٹ گئے ہیں تری منسو آنکھوں کی قسم ہے
 نظر آتا ہوں میں اس واسطے خوش مجھے اندیشہِ عجب ام کم ہے

کدھر جائیں گے پکڑنیے والے
 پس غمخوار ہستیِ عدم ہے

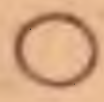


شکست ساز عرض مدعا ہے
 جوانی منزلیں طے کر رہی ہے
 خدا ایمان کو محفوظ رکھے
 لکھا ہے خط یہ سس شک چمن نے
 نہیں ہے تو نہ ہومیری بلا سے
 عجبت جالت ہے ناہنجار دل کی
 ترے چہرے پر شادابی کے کی
 فرادانی مری دانائیوں کی

شکستہ ساز میں بھی اک صدا ہے
 محبت کا گولہ رہنما ہے
 جو دلبر ہے وہ کافر ماجرا ہے
 تمام الفاظ میں نگ حنا ہے
 مجھے محسوس ہوتا ہے خدا ہے
 گماں ہوتا ہے جیسے مر گیا ہے
 تری آنکھوں میں روشنی ضیا ہے
 مری دیوانگی کی ابتدا ہے

گریباں چاک کر ڈالو گلوں کے صبا کو بد مذاقی کا گلا ہے
 تمہاری بات ہے کیا جھوٹ ہوگی جو فرادیت کئے صاحب کیا ہے
 چلو شاید سیرا ہو کسی کا افق کے پاس وشن اکٹ ہے
 قدم اٹھتے ہی منزل آگئی ہے خلوص گمراہی کی انتہا ہے
 تماشا پوچھنا ہے آگہی سے شہود و شاہد و شہو کیا ہے

عداً کیوں مرنے جائیں مکر اکر
 سنا ہے وہ حسیں مجھ سے خفا ہے



جہاں جاتا ہوں افتاد طبیعت ساتھ ہوتی ہے
صدقہ ساتھ ہوتی ہے، محبت ساتھ ہوتی ہے

سفر تنہا نہیں کرتے کبھی جو اہل دانش ہیں
نہ ہو کوئی تو رستے کی معویت ساتھ ہوتی ہے

قیامت شوخی رقتا رہی کا اک نمونہ ہے
وہ جب لہرا کے چلتے ہیں قیامت ساتھ ہوتی ہے

میں پڑھ لیتا ہوں تحریریں مشیت کے ارادوں کی
جہاں نازک سایما ہو، عبارت ساتھ ہوتی ہے

وہ جب بھی دیکھتے ہیں ہم کو پُر معنی لگا ہوں سے
بڑی تفصیل سے پوری حکایت ساتھ ہوتی ہے

مدد یعنی ہی پڑتی ہے عدم توفیق والوں سے
ضرورت میں اکثر ضرورت ساتھ ہوتی ہے

محکم ہی نہیں صورت کش افکار ہوتا ہے
 خوشی کے بھی کچھ مفہوم کا اظہار ہوتا ہے
 وہ نازک خیال و خدا والا وہ بلکے ابروؤں والا
 کبھی لہرا کے چلتا ہے تو بس تلوار ہوتا ہے
 تعلق ہے وہ جس انداز کا جس بھی ہو جائے
 نہ کوئی غیر ہوتا ہے نہ کوئی یار ہوتا ہے
 محبت ایک کیفیت ہے تیری مست آنکھوں کی
 محبت کرنے والا قدرتا ہے خوار ہوتا ہے
 وہ یوں انگڑائی لے کر جاگتے ہیں خواب شیریں کے
 کہ جیسے بتکدے کا زمزمہ بیدار ہوتا ہے

مہجرت کرنے والوں سے بہت بااوس کے عہدے
 جو ہوتا ہے بڑے اخلاص کے پیمانہ ہوتا ہے
 مرا اسلوب ایسے بھی ذرا آساں نہیں، یعنی
 مرا انداز ویسے بھی ذرا دشوار ہوتا ہے
 خرد قائم نہیں رہتی کسی معمولی مسلک پر
 جنوں جو سوچ لے وہ نقش بریوار ہوتا ہے
 عام پہلے تو خالی نظریے بنتے بگڑتے ہیں
 مرتب بعد میں جا کر کوئی معیار ہوتا ہے



تجھے کیا پتہ ہے، تجھے کیا خبر ہے
 یہ کیا سن رہا ہوں میں اہل نظر سے
 چلو ایک مشکل تو آساں ہوتی ہے
 یہ کانٹا جو مالی تجھے چمبھ گیا ہے
 جہاں ختم کر دے اسے کہنے والا
 مشیت ابد تک مرا ساتھ دے گی
 تری گفتگو کس قدر با اثر ہے
 یقین نظر بھی فریب نظر ہے
 سنا ہے کہ رستہ بڑا پر خطر ہے
 یہ کانٹا بھی گلشن کا لخت جگر ہے
 کہانی ہماری وہیں مختصر ہے
 زمانہ انڈل سے مرا ہم سفر ہے

پیالہ عدم آنکھ ہے میکدے کی
 صراحی جواں آہوؤں کی نظر ہے



ہمیں یہ نہیں علم کیا ہو گیا ہے طبیعت کو کیا بر ملا ہو گیا ہے
 بلائے سفینہ اگر ڈوب جائے تو مایوس کیوں نا خدا ہو گیا ہے
 مجھے راہ میں کام تھا اک ضروری بڑا ظلم اے رہنما ہو گیا ہے
 قفس تک پیامات کیوں جاڑیں؟ چمن میں کوئی حادثہ ہو گیا ہے
 جسے آدمیت نہیں راس آئی وہی ابن آدم خدا ہو گیا ہے
 ہوئی ہے یہ تازہ بلا جسم پہ نازل وہ بیدار اگر باد فدا ہو گیا ہے
 کے باغباں ڈھونڈتے قفس میں وہ طائر تو کب کا رہا ہو گیا ہے
 نئے ہاتھ اس دل کشی سے لگے ہیں پرانا سبو بھی سینا ہو گیا ہے

لگا ہوں سے یوں بات کی ہے کسی نے

عدم بات کا حق ادا ہو گیا ہے



دہ گستاں میں جو ناوک بکھٹ چلے آئے
ہر ایک سمت صید و ہون چلے آئے

اٹھی نگاہ جہر عالم جوانی میں !!
سمن بروں کے پسے صف بہ صف چلے آئے

سوائے پیروں کے کچھ بھی نظر نہیں آتا
بجھوم کیف میں ہم کس طرف چلے آئے

گئے تھے مانگنے دل خالق جواہر سے
اٹھا کے ایک زبوں صدف چلے آئے

اداس بیٹھے تھے کس وقت سے عدم مطلق
کہاں سے لیکے ابھی ساز و دھن چلے آئے



بہ عذر حور، جمالِ بتاں کی بات چلے
 چھڑا ہے ذکر کچھ ایسے دراز زلفوں کا
 یہاں کی بات چلے تو وہاں کی بات چلے
 کہ جیسے سلسلہ کہکشاں کی بات چلے
 یقین کی بات نہیں لگاں کی بات چلے
 مگر سوال یہ ہے کیوں خن اں کی بات چلے
 کسی طرف سے کوئی درمیاں کی بات چلے
 قفس کے بیچ اگر آشتیاں کی بات چلے
 یہ جھیکے تو کسی راستاں کی بات چلے
 اگر تمہا سے لبِ رغواں کی بات چلے

چھڑا ہے ذکرِ حسینوں کے نوکِ ابرو کا
 اب اس کے ساتھ عدم کیا کہاں کی بات چلے

جوانی، خوشی، بانگین نیچتے ہیں
 بہاروں کے دن اپنا فن نیچتے ہیں
 ہمیں کوئی غربت کی اک شام دے دے
 تو ہم لوگ صبح وطن نیچتے ہیں
 گل غنچے کے پاس رکھا ہی کیا ہے
 چراغے ہوئے پیرہن نیچتے ہیں
 حکایات مشک و صبا کہنے والے
 ولایاتِ سر دسمن نیچتے ہیں
 عدمِ شتم کو جس کی ہے اتنی ضرورت
 وہ تنویرِ نوسیم تن نیچتے ہیں

کیا دانشیں اسلوب ہیں!
وہ ہر قبا میں خوب ہیں

یہ غنچہ و گل باغیاں!
کس شوخ کے مکتوب ہیں

وہ کچھ بھی ہوں اے ناصحا
مجھ کو بہت مرغوب ہیں

ہم کو بتا تو دے تب کئے
ہم کس لئے معتوب ہیں

بے ساخت ہر شے کی جدا
ہم زبشت ہیں وہ خوب ہیں

وہ ٹھیک کہتے ہیں عدم
ہم واقعی محب زوب ہیں

مرے بغیر نہ بزمِ طرب سجا دینا
جب آئے فصلِ بہار اں مجھے صدا دینا

تو اپنی آنکھ کی نیت کو دیکھ لے خود ہی
مجھے نہ بعد میں ساقی کوئی گلا دینا

جہاں جہاں تجھے تنہائی نے ادا س کیا
وہاں وہاں مجھے دھیمی سی اک صدا دینا

مرے خلوص کو احسان بھی نہ ہوا اس کا
کچھ اس طرح مرے اخلاص کو سزا دینا

مرا بگاڑ ہوا پختہ نئی عمارت کا
بگاڑ کرنے مجھے اتنا حسیں بنا دینا

ہم ان کے دل میں اگر کچھ جگہ عدم رکھتے
تو اتنا سہل نہ ہوتا ہمیں کھلا دینا



سکونِ صبح نہیں، خطرِ شام نہیں
 مجھ میں یوں رہا ہوں حیرت
 اب اور ہم کو کر لگی اسیر کیا دنیا
 میں سوچتا ہوں شرابِ طہر کی بابت
 مجھے تمہارے ستم ہی بہت غنیمت ہیں
 صلہ قوتوں کا نمونہ بھی کوئی پیش کرو

حیاتِ موت کا وہ حسن انتظام نہیں
 تمہارا نام کہ جیسے تمہارا نام نہیں
 کہ زندگی سے بڑا اور کوئی نام نہیں
 یہاں حرام سبے لیکن وہاں حرام نہیں
 مجھے تمہاری مروت کوئی کام نہیں
 روایتوں کا مجھے کوئی احترام نہیں

عدمِ محبت فرہاد اگر حقیقی تھی
 ہمارا حسنِ عقیدت بھی اتنا خام نہیں



ماتم دست نارسا نہ ہوا
 انکے احساں تو بے نہایت تھے
 مصلحت کے تمام رشتے تھے
 جس جگہ سے ہوا خرد کا گذر
 ہائے وہ بد نصیب خطہ گل
 کچھ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے
 انکی نیت تو ٹھیک بھی بالکل
 مدعا خود ہی مر گیا مہنس کر
 ہاتھ شرمندہ دعا نہ ہوا
 اتفاقاً مرا بھلا نہ ہوا
 گوشت ناخن سے کب جدا نہ ہوا
 اس جگہ سایہ ہما نہ ہوا
 جو ترا سایہ مبتا نہ ہوا
 اک فرشتہ ہوا خدا نہ ہوا
 کیا ہوا قول اگر وفا نہ ہوا
 شکر ہے خون مدعا نہ ہوا

بات ادھوری ہی رہ گئی آخر
 میں نے چھیڑا تھا صلحت اے
 گو ہوا سخت ناموافق تھی
 جوتے شیر ایک مرتبہ نکلی
 وہ تو غارت گری نہ اُٹلتے
 گو غلط تو نہیں ہوا پھر بھی
 بات کا کوئی فیصلہ نہ ہوا
 وہ بھی کچھ سوچ کر خفا نہ ہوا
 ناخدا بندہ خدا نہ ہوا
 پھر کوئی محبرم وفا نہ ہوا
 میں تکلف میں مبتلا نہ ہوا
 ہم سمجھتے ہیں کچھ بجا نہ ہوا

پھوٹ نکلا عارم چناروں سے

جل گیا دل مگر فنا نہ ہوا





غم کریں کیوں گئی بہاروں کا
 غنبریں کا کلوں کی بستی میں
 سانس لیں ہم کہ سانس کے مرجائیں
 اے خزاں تو پلٹ ہی جاوے
 منزلیں گر گئیں زگاہوں سے
 آپ ہوں ہم ہوں مجاہد صہبا ہوں
 شہر نزدیک ہے زگاہوں کا
 ختم ہو گا سفر ستاروں کا
 کیا ارادہ ہے غمگساروں کا
 عزم کچھ اور ہے بہاروں کا
 دیکھ کر حسن رنگزاروں کا
 اور جب گل ہوا کھٹاروں کا

غنچہ و گل کے پیرہن میں عدم
 رنگ ہے آنکھ کے اشاروں کا

شام کے بعد گزرگاہ خوف آتا ہے
 نوگر قمار قفس میں یونہی گھبراتا ہے
 جیسے سادون میں کوئی رجم کھنک جاتا ہے
 یہ تکلف بھی مری جاں کوئی فرماتا ہے
 میرا سایہ بھی مری ذات سے کتراتا ہے
 میکدہ تیری زنگاہوں کی قسم کھاتا ہے

مجھ کو تب اس وقت کہاں جاتا ہے
 نے دل لے تری تشویش نئی چیز نہیں
 ادا قی ہے تری اس طرح اجڑے دلیں
 تر د بھی مناسب کسی سے پوچھو
 وہ پہرے کسی قتل کی کہ میری ہستی
 یکدم میں تری آنکھوں کے سوا کچھ بھی نہیں

صورت حال کچھ اس درجہ بے لچرپ عدم
 صورت حال پہ روزناسا مجھے آتا ہے

لذت وعدہ دیدار نئی چیز نہیں
 چیز عمده ہے مگر یار نئی چیز نہیں
 بیوقوفو! رسن و دار تو ہے مذہب عشق
 بیوقوفو! رسن و دار نئی چیز نہیں
 قیس و فرہاد بھی بیٹھے تھے یہیں آکر
 آپ کا سایہ دیوار نئی چیز نہیں
 چیز بالکل ہے نئی آپ کا اسلوبِ تتم
 کون کہتا ہے کہ سرکار نئی چیز نہیں
 میں سمجھتا ہوں یہ ماحول ہے تازہ پتھر
 وہ سمجھتے ہیں یہ دیوار نئی چیز نہیں
 چاندنی کس لئے انگشتِ بارِ نداں ہے عام
 تابشِ کاکلِ خمِ دار نئی چیز نہیں



نوا نہیں ہے، جام ہے
 لبوں کا قفل توڑیے
 یہ کیا علیٰ سی روش
 نہ ابروؤں میں تیر ہیں
 نگاہ تو اکھٹائیے!
 یہ کیسی سوچ اور جھجک
 رباب ہاتھ ہاتھ ہے
 کہاں ہیں ہم میرے صنم
 یہ کون ہے کلام ہے
 صنم کدے کی شام ہے
 یہ کیسا انصرام ہے
 نہ گیسوؤں میں دام ہے
 یہ ساز ہے، وہ جام ہے
 نہ ردک ہے نہ تھام ہے
 شراب جام جام ہے
 یہ کون سا مقام ہے

نہ ہے طلال کا گزر
 جنوں ہے چاند کی طرح
 نہ ہال گل فروش ہے
 بہار کے درود میں،
 صبا ہمہ نیاز ہے
 کہیں ازل کی صبح ہے
 نہ خطمتوں کا نام ہے
 خرد ستارہ فام ہے
 غزال خوش خرام ہے
 نگار کا پیام ہے
 سبوتہ سلام ہے
 کہیں ابد کی شام ہے

وجود ہے حشر نشیں

عدم فلک مقام ہے





سب کو توڑنا مت گوارہ تھی ، ہو
 چلو سیر قیامت کر ہی آئیں
 اجل کیا بد عادے کر گئی ہے
 خراب زندگی ہونے کی لہجے
 پرانے شعبہ دلوں کو چھوڑیئے اب
 جو کرنا بے تکلف نہ کیجئے
 کوئی دکھش سا وعدہ اور کیجئے
 نہیں اتنے بکھڑوں کی ضرورت
 کسی کی جاں نہ اس میں رہ گئی ہو
 وہاں دنیا کوئی شاید نئی ہو
 اگر وہ بد دعا لگ ہی گئی ہو
 تو اچھا جا ، خراب زندگی ہو
 کوئی تازہ فریب آگئی ہو
 بلے دوستی یا دشمنی ہو
 مگر اتنی نہ اس میں دل کشتی ہو
 کوئی سادہ سی سچی سی خوشی ہو

عالم کیوں دے رہے ہو ہم کو دھوکا

اگر یاغلوں میں اب بھی چاندنی ہو



وہ روح جس کا محبت اصول ہو جائے
 چٹک کے غنچے کی مانند پھول ہو جائے
 میسر آئے ذرا سا حبسوں کا سایہ
 خرد کی تھوڑی سی قیمت وصول ہو جائے
 خوشی کا رنگ تسم ہے پھیکا پھیکا سا
 خدا کرے کہ طبیعت ملول ہو جائے
 دعا تو مانگی ہے رسماً مگر خدا کی قسم
 مجھے امید نہیں ہے قبول ہو جائے
 خزاں رسیدہ سا غنچہ ہے دل ہنوز عاتم
 چلے ہو اے بہاراں تو پھول ہو جائے



سحر کا وقت بھی کیا پرسرور ہوتا ہے عجیب تازگی ہوتی ہے نور ہوتا ہے
 خیال یار نہیں تو خلوص راہ سہی کوئی شریک سفر تو ضرور ہوتا ہے
 نکل بھی جا کسی جانب تلاش میں اس کی ستم ظریف وہ نزدیک دور ہوتا ہے
 فراق شب ستم و گل کوئی سنا زہ ظلم نہیں یہ حادثہ تو ازل سے حضور ہوتا ہے
 لگے ہیں ایسے خیالوں کو حرص کے خوشے کہ جیسے آم کی شاخوں پہ بور ہوتا ہے
 ہوا ہے یہ کہ اندھیروں نے ڈس لیا انھیر سنایہ تھا کہ ستاروں میں نور ہوتا ہے
 ذرا سی پنی کھروخ و بان کلائے موسیٰ سنا ہے طور پہ طوفان نور ہوتا ہے

عدم اس آنکھ کو دیکھو تو یہ کھلے تم پر
 شباب کس طرح نشے سے چور ہوتا ہے

حسینوں کی بڑی تعریف کی ہے
بتوں کی داستان تصنیف کی ہے

گل و غنچہ پریشاں ہو رہے تھے
صبا نے آکے کچھ تالیف کی ہے

یہ قبرستان یہ شب کا اندھیرا
حضور اس وقت کیوں تکلیف کی ہے

جنوں تو کہہ ہی دیتا بات ساری
خرد نے سوچ کر تحریف کی ہے

تارے مضطرب ہیں چاند ساکت
یہی صورت مری تکلیف کی ہے

عدم غربت میں یاد آکر وطن نے
صعوبت میں بڑی تخفیف کی ہے

تو کس قدر گلفام ہے

اک صبح دل آرام ہے

یہ حجام بھی لے لیجئے

یہ بھی تمہارا حجام ہے

آغا زانچا ہو اگر

آئینہ احجام ہے

تکلیف کیا ہوگی ہمیں

آرام ہی آرام ہے

کیا بات ہے اُن کی عدم

جو بات ہے الہام ہے

مرہ جبینوں کے درہی کام ابھی باقی ہیں
 عندر باقی ہیں ابھی، دام ابھی باقی ہیں
 اک خدا ایک تری ذات نہیں بھول سکی
 ذہن میں ایک دو اصرنام ابھی باقی ہیں
 کچھ مہکتی ہوئی شامیں ہیں خراباں اتکے
 کچھ کھٹکتے ہوئے ایام ابھی باقی ہیں

ناچشیدہ ہیں ابھی اور قواعد باقی
اور نادیدہ درو بام ابھی باقی ہیں

سرو مہتاب کے اجسام کا شکوہ مت کر
گرم تانبے کے کچھ اندام ابھی باقی ہیں

سرجھیکا کر ذرا سن لے انہیں اے موسم گل
میگساروں کے کچھ احکام ابھی باقی ہیں

چند قصوں کے نتیجے تو ہوئے شکل پذیر
چند افسانوں کے انجام ابھی باقی ہیں

تیری بیداد اگر ختم ہوئی تو پھر کیا
جان من سینکڑوں آلام ابھی باقی ہیں

ایسے مصروف نظر آتے ہیں سب گہیاں
کوئی سمجھے کہ بہت کام ابھی باقی ہیں،

روز گھڑتی بے مشیت نئے آلات نوا
 وقتِ غیب کے پیغام ابھی باقی ہیں
 چند تعمیر شدہ خواب ہیں محفوظ ابھی
 چند تخلیق شدہ حیا م ابھی باقی ہیں
 تیزی فہرست تو یارب بڑی چھوٹی نکلی
 میری فہرستیں کچھ نام ابھی باقی ہیں
 میں نہیں جنتِ مودِ ہوم کا محتاج عدم
 میرے شیشے، مرے اصنام ابھی باقی ہیں





بے تکلف سحر و شام چلے آتے ہیں
 آخری آس بھی نکلی سراسر ہل
 صرف اک جام چلا آئے تو پھر بعد از
 حسبِ ستور طبیعت بے شگفتہ ساتی
 شیخ تو حجرۂ مسجد میں توقف فرما
 بربط و شیشہ و قندیل کے پرانے میں
 دم بدم کتنے خم زلف ہیں آغوش کشا
 آنے والے تو بہر گام چلے آتے ہیں
 مسکراتے ہوئے ناکام چلے آتے ہیں
 سلسلہ وار کئی جام چلے آتے ہیں
 حسبِ معمول سب گام چلے آتے ہیں
 کر کے ہم چھوٹا سا اک کام چلے آتے ہیں
 کتنے بہتے ہوئے ایام چلے آتے ہیں
 پے پے کتنے حسین نام چلے آتے ہیں

ان کے پیغام کہاں ہوتے ہیں مسدود عدم

ان کے پیغام مرے نام چلے آتے ہیں

اٹھایا جب اکیلے جامِ ہمم نے
 بڑی آہیں بھریں کل شامِ ہمم نے

بہت خوش خلق اور خندہ جبین تھا
 نہ پوچھا ہمسفر کا نامِ ہمم نے

ادھر آؤ ذرا اے مہِ جبینو !
 بچھا یا ہے وفا کا دامِ ہمم نے

حقیقی عشق میں کچھ کہی نہیں تھا
 محبت کی برائے نامِ ہمم نے

طلوعِ حشر نے آواز دے دی
 کیا تھا دو گھر ہی آرامِ ہمم نے

غلامِ کتنی عقیدہ مند یوں سے
 کیا اس مشورخ کو بد نامِ ہمم نے

پری ویش جب در میخانہ کھولیں
 مرے ظرفِ طلب کو کم نہ تولیں
 مری سرکار نازک ہے زمانہ
 کسی مے خوار سے ہنس کر نہ بولیں
 ستارے باغ میں اترے ہوئے ہیں
 چلو صہبا پئیں اور پھول رو لیں
 ستارے دائرہ بانہ سے کھڑے ہیں
 مری سرکار اب لفوں کو کھولیں
 عدم ان کا کلوں کی نیچستوں میں
 طبیعت چاہتی ہے خوب سولیں

دیا بد دل میں نگار حسین نہیں کوئی
 مکاں تو خوب ہے لیکن مکیں نہیں کوئی
 تمہاری بات تو دلچسپ ہے بڑی لیکن
 تمہاری بات پہ مجھ کو یقین نہیں کوئی
 مرا خیال تھا میں ہی یہاں اکیلا ہوں
 سنا ہے آپ کا بھی ہم نشین نہیں کوئی
 خرد کا پھول وہ نقش علیل جس میں
 خطِ شریفِ رگِ انجیس نہیں کوئی

خزاں میں بھی پلٹ آتی ہے فصل گل لیکن
چمن طراز و بہار آفریں نہیں کوئی

یہ سب کمرِ شمع ہے آنکھوں کی حُسنِ بینی کا
خود آپ اپنی جگہ دل نشیں نہیں کوئی

غزال پھرتے ہیں کیلے کھٹک چمن میں عِلم
انہیں گماں ہے یہاں درمیں نہیں کوئی





جو لوگ راہ طلب ہیں خراب ہوتے ہیں
 وہی مراد و رو کا میاب ہو جاتے ہیں
 میں دوستوں کی عنایات کا نہیں شاکہ
 کہ دوستوں کے دلوں میں سنا ہوتے ہیں
 بتوں کو دیکھ کے میں ہوش میں نہیں رہتا
 جواں نقوش بھی موج شراب ہوتے ہیں
 جواب اگرچہ مرے بھی نہیں ہیں کم لکش
 سوال ان کے بڑے لاجواب ہوتے ہیں

نہ پوچھ کس طرح شبِ نیم کے گرم بوسوں کے
 گلوں کے نرم کیلجے کباب ہوتے ہیں
 بڑے مقام ہیں آہنگ کے ترشح کے
 سبو بھی موسمِ گل میں رباب ہوتے ہیں
 فقیہہ زاہد و صوفی وہ خاص بند ہیں
 عدم گناہ بھی جن کے ثواب ہوتے ہیں



ہم آپ سے جب عشق کا اظہار کرینگے
 ہر خوف کو نذر رسن و دار کرینگے
 ہو جائے کسی طور جدا گوشت سے ناخن
 کچھ لوگ یہ تکلیف بھی سرکار کرینگے
 غفلت نہ کرے گی یہ کرشمات کی دنیا
 جو غیر نہ کر پائیں گے، وہ یار کرینگے
 ہم کیا ہیں! بضاعت ہی بھلا کیا ہے ہماری
 جز صدقہ بجاں کون سا ایشار کرینگے
 سرکار مرے چاک گریباں پہ نہ ہنسا
 سرکار تماشا گل و گلزار کرینگے

موسے پہ ہی موقوف نہیں خبط تقاضا
ہم لوگ بھی کچھ آپ سے نکرار کرینگے

اتنا نہ ڈرو ہم سے بیا باں کے غزالو!
ہم اہل چین مت کو بڑا پیار کرینگے

یہ محتسبِ وقت بھی ہے چیزِ بلا کی
آج اس بھی جھگڑا سرِ بازار کرینگے

ہم آپ کو ہونے نہ کبھی دینگے شرابی
ہم آپ کو بردِ وقت خبردار کرینگے

شادیائی انکارِ عدم کا رِمغاں ہے
یہ کام یہی ہوش کے معیار کرینگے

اے ماہ و شوا صورتِ حالات ہی ہے
 وحشت ہے وہی، شوقِ ملاقات ہی ہے
 بدلا ہے کس انداز سے مفہوم کو اس نے
 گو بات کی وہ شکل نہیں، بات ہی ہے
 یہ شب بھی اسی رات کی مانند ہے روشن
 محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ رات ہی ہے
 فر باد! نہ جانا کبھی شیریں کے نگر میں
 کبخت و ہاں قیمتِ اوقات ہی ہے
 آئندہ بدل جائے تو کچھ کہہ نہیں سکتے
 اب تک تو عدمِ صورتِ حال ہی ہے

جواب بات کا جو بر ملا نہیں دیتے
وہ بعد ازاں بھی کوئی حوصلہ نہیں دیتے

لباسِ غنچہ و گل میں بھی عشق زخمی ہے
گناہ شوق کی اتنی سزا نہیں دیتے

پتا ترا کوئی ہم سے ہی آکے کیوں پوچھے
غلط ہی کیا ہے اگر ہم پتا نہیں دیتے

بغیر مے کے بہاریں اُداس رہتی ہیں
بغیر آپ کے موسمِ مزا نہیں دیتے

کبھی کبھی کہیں ملنا بہت ضروری ہے
تعلقات کو بالکل سبلا نہیں دیتے

وہ بار دعا سے بھی اب تنگ آگئے ہیں عام
وہ کچھ دنوں سے ہمیں بدعا نہیں دیتے



کسی جوان بھرم کی بڑی ضرورت ہے
 تری نگاہِ کرم کی بڑی ضرورت ہے
 بے منہمک تو کسی مشغلے میں خلقِ خدا
 فریبِ دیرو و حرم کی بڑی ضرورت ہے
 جنوں نہیں جو بناتا ہے راستہ اپنا
 خرد کو نقشِ قدم کی بڑی ضرورت ہے
 ستم ظریف تجھے کیا خبر کہ لوگوں کو
 ترے حسین ستم کی بڑی ضرورت ہے

مجھے طلبِ بیکرہِ راست کی تو ہو عَدَم

مجھے تو خندقِ دُخَم کی بڑی ضرورت ہے

الم نہ ہو تو خوشی اک مے بال ہو جائے

خوشی کے ساتھ الم کی بڑی ضرورت ہے

کہیں سے پیدا کرو اس جوان کو یا روبا

وہ کہہ رہے ہیں عَدَم کی بڑی ضرورت ہے





مجھ کو احوال گلستاں پہ ہنسی آتی ہے
 اس حسیں خواب پر لیشاں پہ ہنسی آتی ہے
 مہ جبینوں سے یہ دریافت تو کیجئے ان کو
 کیوں مرے چاک گریباں پہ ہنسی آتی ہے
 ہے بھرم اس کا بھی قائم تری لگڑائی
 وسعت عالم امرکاں پہ ہنسی آتی ہے
 آتو جاتا ہے مگر مہنس کے چلا جاتا
 مجھ کو اکثر غم دوراں پہ ہنسی آتی ہے

آج پھر اس کا برا حال ہے میرا عدت
 آج پھر صورتِ دریاں پہ ہنسی آتی ہے
 پار لگنے کا کچھ امکان ابھی ہے یا رونا
 ناخدا کو ابھی طوفان پہ ہنسی آتی ہے
 عقل کے وہم پر یوں آتا ہے خندہ جیسے
 وحشتِ چٹیم غزالاں پہ ہنسی آتی ہے
 آپ کا قول بھی سر کا ترکلف تو نہیں
 کیوں مجھے آپ کے پہیاں پہ ہنسی آتی ہے
 ستلیاں پھولوں کے جھرمٹ میں گرتی ہیں
 باغ کو تختِ سلیمان پہ ہنسی آتی ہے
 زندگی پر مجھے یوں آتا ہے خندہ جیسے
 اک بگوئے کو بیاباں پہ ہنسی آتی ہے

ہم وہ دیوانے ہیں جب ہنسنے پہ جاہیں
ہم کو ہر صورت گریاں پہ ہنسی آتی ہے

کیا تماشا سا بنا ڈالا ہے ظالم نے عدم
بعض اوقات تو بزدل پہ ہنسی آتی ہے



میں بھی کونین کا اک رنگ ہوا جاتا ہوں
 آسمانوں سے ہم آہنگ ہوا جاتا ہوں
 مسکرا دو کہ طبیعت ہو کشادہ میری
 کثرت فکر سے دل تنگ ہوا جاتا ہوں
 کتنا پچیدہ و سادہ ہے وہ حسن دلکش
 جس قدر دیکھتا ہوں دنگ ہوا جاتا ہوں
 روح کونین ہی نغمہ نہیں بنتی حباتی
 میں بھی آلودہ آہنگ ہوا جاتا ہوں
 بے غم کوئی تو تو قیر پچالے اس کی
 منکر صنعت ارژنگ ہوا جاتا ہوں



میرے خلوص، ایتیری رضا کے قریب ہیں
 اہل نیاں، شہر صہبا کے قریب ہیں
 مجھ کو تو ڈر سا آپ سے لگتا ہے شیخ جی
 میں نے سنا ہے آپ خدا سے قریب ہیں
 اے کاش ٹوٹ جائیں کسی اتفاق سے
 وہ ہاتھ جو حد و دعا کے قریب ہیں
 اب اپنی گمراہی سے بھی شاید نہ مل سکیں
 وہ راہ روجو راہ نما کے قریب ہیں

اب صبح دھونڈتی پھرے ہم کو تمام عمر
 اب ہم سوادِ شام بلا کے قریب ہیں
 اب آگہی فریب نہ دے گی قیاس کو
 اب ہم مقامِ صبر و رضا کے قریب ہیں
 مشکل نہیں پہنچنا عدم اب بہشت تک
 اب ہاتھ اس حسیں کی قبا کے قریب ہیں



وہ روشنی وہ رنگ وہ حدت وہ آب لا
ساقی طلوع ہوتا ہوا آفتاب لا

آ! وحشت خرد کو ذرا سا سکون دے
جہاں کتبِ شباب کی پہلی کتاب لا
ہلکی سی بے حسی بھی بہاروں کی موت ہے
مختور می سی دیر بھی نہیں واجبِ شراب لا

پھولوں کی خواہشوں میں تو کیا لہرائے گی
کلیوں کی نیتوں میں ذرا انقلاب لا

ساقی کوئی بھرکتی ہوئی سی شراب دے
مطرب کوئی ترپتا ہوا سا رباب لا

جامِ عدم بھی دور میں آجائے گا ابھی
تو اپنی چاندنی تو شبِ ماہتاب لا

پھر آج ذہن میں چھتا ہوا ہلال آیا
کسی کے ابروئے خم دار کا خیال آیا

کوئے صنم سے جب آئے ہیں نہیں ملتی
یہ کون کان میں کچھ بوئے گل کے ڈال آیا

سبواٹھاؤ کہ باد صبا کا اک جھونکا
خزاں کو آج افق سے پسے نکال آیا

خزاں کی صبح تو کر غور اس پہ لے مالی !
شب بہار پہ بے وقت کیوں وال آیا

گیا تھا عشق نے مجھے لے کے ان کی محفل میں
خود آگیا مجھے اک حادثے میں ہال آیا

عدم عجیب روا رہے فردشوں کا
وباں جو آیا بے سرستی کال آیا

مرے خلوص کا کچھ اعتراف فرماؤ
 وگرنہ میری خطا کو معاف فرماؤ
 خراب کس لئے کرتے ہو، ہم غریبوں کو
 نہیں بناہ کی نیت تو صاف فرماؤ
 جناب شیخ یہ خوشبو تو کچھ عجیب سی ہے
 وہ کیا دھرا ہے درون غلاف فرماؤ
 پڑے ہو حجرہ مسجد میں کیوں پریشاں ہے
 کس حسین حب گداست کاف فرماؤ
 یہ بزم حشر بھی ٹھہری مہتاری ملکیت
 یہاں بھی جان عدم انحراف فرماؤ

دیکھ کر صورتِ آرام اُتر آئی ہے
 زندگی خود ہی تہِ دام اُتر آئی ہے
 میرے پیمانہٴ احساس کے اندر ساقی !
 تیری تصویر سرِ شام اُتر آئی ہے
 میں نے ایک لمحہ ہٹائی ہے ادھر جو نظر
 جام میں گردشِ ایام اُتر آئی ہے
 دل کی تہنائی میں کس سمت سے معلوم نہیں
 ایک دوشیزہ گلفام اُتر آئی ہے
 اب تو شیشے کو کر درنگ سے لبریز عدم
 شام کی شرط تھی، تو شام اُتر آئی ہے

رخ بدل سکتے ہیں، انداز بدل سکتے ہیں
 ساز پتھر تو نہیں، ساز بدل سکتے ہیں
 نے کے ہر پردے کا مفہوم الگ ہوتا ہے
 آپ چاہیں تو ہم آواز بدل سکتے ہیں
 اک ذرا آپ کی آنکھوں کا بے ایمان لازم
 حادثے صورت آغاز بدل سکتے ہیں
 باغباں تجھ کو تعلق ہے تو بتا دے ہم کو
 ہم ابھی نیت پر واز بدل سکتے ہیں
 مجھ کو بے ان کی رفاقت پہ بھروسہ سبھا
 اے عدم ہم دم و دم ساز بدل سکتے ہیں



مکلفات کے دریا بہا کے ملتے ہیں

میں تو لوگ بہت مسکرا کے ملتے ہیں

غضب تو یہ ہے میں شکوہ بھی کر نہیں سکتا

ستم تو یہ ہے وہ آنکھیں ملے کے ملتے ہیں

بڑے لطیف غموں کا سب کو کھنکھاتا ہے

بڑے حسین نتیجے دعا کے ملتے ہیں

ابھی شراب محبت کی کو نہیں بھڑکی

ابھی عدم وہ زگا ہیں چرا کے ملتے ہیں

کسی کو دشت کی تنہائیوں میں نیند آتی ہے
 کسی کو باغ کی رعنائیوں میں نیند آتی ہے
 بہاریں خواب کرتی ہیں مگر قوس قزح بن کر
 جوانی کی جواں انگڑائیوں میں نیند آتی ہے
 پیالے کی کھنکھست ہو جاتا ہے غم ایسے
 کہ جیسے سانپ کو شہنائیوں میں نیند آتی ہے
 مجھے ساحل کے سناٹے سے احتیاج نہیں سکتی
 مجھے طوفان کی گہرائیوں میں نیند آتی ہے
 عدمِ فرباد شیریں کے محل میں نہیں سکتا
 گدا کو شہر کے ہر جایوں میں نیند آتی ہے

ریشہ بے شمع حسن کا بازارِ شام سے
 پروانے جل رہے ہیں بڑے اہتمام سے
 لمحہ اگر دوام سے کچھ مختلف نہ ہوا
 لمعہ عظیم تر بے حیات دوام سے
 جب دل ہوا اُداس تر نام لے لیا
 کتنی غیبتیں ہیں کس میں ترے نام سے
 کچھ اور کھل رہی ہیں حدیں کائنات کی
 انگریزائی ہے رے میں وہ اسل ہتمام سے
 نہ طلوع ہوتا ہے صہبا ہے اے عدم
 خنجر نکل رہا ہے غلافِ نیام سے



الہی بے خودی عشق پر اماں گزرے
مری نظر سے نہ ان کو کوئی گماں گزرے

ٹھہرنا کیا تھا کسی بے وفا کے کوچے میں
اُداس اُداس گئے تھے پتاں تیاں گزرے

ہے نوک خار بھی ابرو سے یار کی صوت
کہاں کہاں سے یہاں روکے کار داں گزرے

ہزار بجلیاں آ آ کے ہو گئیں واپس
ہزار حادثے نزدیکیاں گزرے

اداس اداس بہارو! مجھے خبر کرنا
 یہ لباس میں جب دختر خزاں گزے
 ہیں اب بھی یاد میں محفوظ چاندنی کی طرح
 وہ چند لمحے جو یاروں کے درمیاں گزے
 چلے نہ تھے تو بڑی سوچ میں تھے غرقِ عدم
 ہوئے رواں تو مسافر کشاں کشاں گزے



نہ جانے اس میں خرام بہار ہے کب کا
تمہاری زلف مسلسل وقار ہے شب کا

سلسبیل میں بھی چاندنی اسی شے کی
گیا ہے روپ کہا تک شراب کی چھب کا

گماں یہ ہے کہ اتالیق تھانہ طفل کوئی
چراغ رات کو رکشن نہیں تھا مکتب کا

فقر کی یہ دعا ہے خلوص نیت سے
کریم اپنے کرم سے بھلا کرے سب کا

شراب ناب اگرچہ شر رہیں تاہم
معاملہ ہے ترے نازک حصیوں لب کا

بے دوستوں کی زیادہ شدید زہر عدم
جلا ہے جس سے کئی بار نیش عقرب کا

ساقی رضا کی بات، نہ رغبت کی بات ہے
 سب ترے التفات و عنایت کی بات ہے
 مشکل ہے بات ہرہ جبینوں کے خلق کی
 ہو جا ہم نشیں تو کرامت کی بات ہے
 جو بات چاہتی ہیں حسینوں کی کا کلیں !
 وہ بات تو فراغت و فرمت کی بات ہے
 ہے آپ کے ستم سے مراد آپ کا کرم
 یہ بات ہے تو کتنے مسرت کی بات ہے
 مت کھینچ ہاتھ جوڑے او کم نگاہ اب
 یہ بات بھی شدید ضرورت کی بات ہے

مطرب یہ دلکشی جو زمزمے میں ہے !
یہ تو ہمارے حسن سماعت کی بات ہے

مجبور تو کوئی نہیں کرتا حضور کو
وہ تو حضور شوق و طبیعت کی بات ہے

دیتے ہیں آپ ہم کو جو اتنی اذیتیں ،
یہ آپ کے خلوص و محبت کی بات ہے

جنت میں مسکشی کے لئے جا رہے ہیں آپ
یہ تو جناب شیخ قباحت کی بات ہے

اجباب کر رہے ہیں جو اتنے خلوص سے
میرا خیال ہے کہ نصیحت کی بات ہے

مجھ کو یہ تیری بات پسند آئی ہے عدم
سب اپنے اپنے حسن عقیدت کی بات ہے

میری آنکھوں سے کچھ اُس آنکھ کی یونٹا ہوئی
 جیسے دوبادہ گساروں میں ملاقات ہوئی
 گر کے جب جام کسی ہاتھ سے کوئی ٹوٹا !
 مشتعل اور بھی کچھ نبض خرابا ہوئی
 میں تو بھت اگر م سفر جانب کعبہ لیکن !
 راہ میں اور ہی صورت حالات ہوئی
 چرخ پر کوئی ستارہ ہے نہ جنگل میں چراغ
 دشت ہستی کے مسافر کو کہاں رات ہوئی
 یوں عدم زلف وہ درآئی خیالوں میں مرے
 جیسے تپتے ہوئے صحراؤں میں برسات ہوئی

کیا ہے اس روئے مریں کا جواب
 ڈرنے لگے ہاتھ محشر میں
 دل میں بکھرے ہوئے حضور حضور
 آگ بھتی یا صد بھتی نغمے کی — !
 مجھ سے مفہوم زلیست مت پوچھو!
 اس طرح جام باہقہ میں آیا،
 وہ توفیر مایے ذرا کھل کر
 ہائے وہ زلف ہائے وہ سینہ
 ہر نیاں بن گئیں مناجاتیں
 زیرِ تانوں بھی نہیں چھٹتی

چہرہ چہرہ ہے اور کتاب کتاب
 ہو گیا شمع کا حساب کتاب
 دیکھ کر راستہ جناب جناب
 جل گیا کس طرح وجود رباب
 ٹوٹ جائے نہ گریہ کے جام شراب
 گر پڑے جیسے چرخ سے ہمتاں
 لطف ہوتا ہے حوبہ طرز عتاب
 جھنگ میں جیسے بہار ہوا چناب
 چھا گیا حب نگلوں پہ ہیر کا خواب
 کس قدر نامراد شے ہے شراب

ہائے کتنے حسین ہیں وہ عتدَم
 آئیے بھی کر رہے ہیں حجاب

